JIBAS (The International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN: APPLIED FOR (P) & (E)
Home Page: http://jibas.org
Approved by HEC in Y Category
Indexing: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

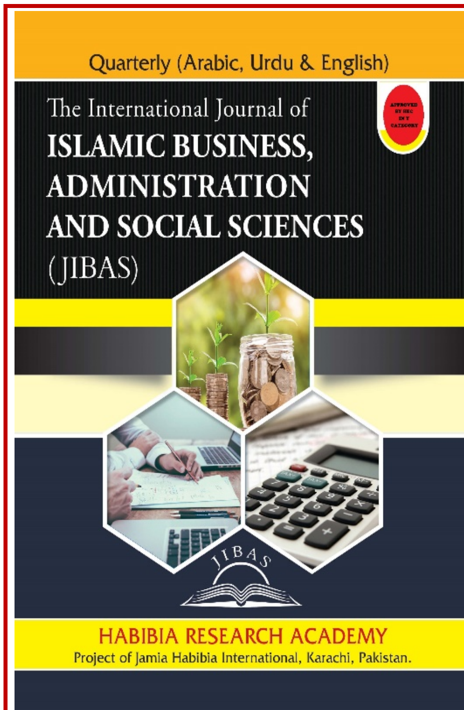

TOPIC:

MONEY AND ITS EVOLUTIONARY STAGES IN THE EYES OF ISLAMIC JURISTS

زراوراس کے ارتقائی مراحل فقہاءاسلام کی نظر میں

AUTHORS:

1. *Munib Siddiqui, Research officer JDUI, Lahore Pakistan Director International Halal Inspection and Certification (IHIC) Lahore, Pakistan Email: siddiquimunib@gmail.com ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-5114-144X*
2. *Dr. Zain- ul-Abdin Arijo, Assistant Professor, Shah Abdul Latif University, Kairpur. Email ID: zain.arijo@salu.edu.pk ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-3694-2329*
3. *Dr. Sadaf Fatima, Asst. Professor, Department of Urdu, University of Karachi. Email ID: Dr.Sadaffatima@hotmail.com , ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-0557-2644*

How to Cite: *siddiqui, munib, Zain- ul-Abdin Arijo, and Sadaf Fatima. 2021. "URDU 1 MONEY AND ITS EVOLUTIONARY STAGES IN THE EYES OF ISLAMIC JURISTS: زر اوراس کے ارتقائی مراحل فقہاء اسلام کی نظر میں". International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences (JIBAS) 1 (4):1-18. https://doi.org/10.47720/jibas.2021.0104u01.*
URL: https://jibas.org/index.php/jibas/article/view/10.
Vol. 1, No.4 || October –December2021 || P. 01-18
Published online: 2021-10-30

QR. Code

MONEY AND ITS EVOLUTIONARY STAGES IN THE EYES OF ISLAMIC JURISTS

زراوراس کے ارتقائی مراحل فقہاءاسلام کی نظرمیں

Munib Siddiqui, Zain- ul-Abdin Arijo, Sadaf Fatima

ABSTRACT:
In the past, currency was made of different metals and even today small denomination coins are still made of metals. After the invention of the computer, paper currency gradually takes over on the entire economy and become a digital currency. Like religion, currency also controls mankind, but unlike religion, currency also controls governments. After traveling 5,600 miles in three and a half years, when Marco Polo first arrived in China in May 1275, he was amazed to see four things. These were: burning stone (coal), non-combustible cloth table (asbestos), paper money and the royal postal system. Paper money is said to be the biggest deception in the world today. And now, as it goes through evolutionary stages, it has gone digital and it is not known what form it will take in the future. Islam has, of course, provided mankind with a complete system of life in which, in addition to worship, there is a solution to the problems of economics and society. In the following article, starting with the definition of money, we will review its evolutionary stages and try to see in what context Islam sees this development. Islam has always preferred and appreciated the acquisition of knowledge, be it economics or politics, currency is also called money or foreign exchange. Prior to the invention of the rupee, transactions were conducted under the "barter system", for example, a cow could be bought for a few sacks of wheat. In the same way, service or something was paid for. But in the case of wheat and cows, long-term savings are not possible; there was a need for another currency that would be easier to save. This need takes us here; now let's take deep insight of these evolutionary stages in the eyes of Islamic jurists.

KEYWORDS: currency, economy, evolutionary stages, Islamic jurists,

خلاصہ: ماضی میں کرنسی مختلف دھاتوں کی بنی ہوتی تھی اور اب بھی چھوٹی مالیت کے سکےدھاتوں سے ہی بنائے جاتے ہیں۔ کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد کاغذی کرنسی بتدریج ڈیجیٹل کرنسی میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ مذہب کی طرح کرنسی بھی انسان کو کنڑول کرتی ہے۔ لیکن مذہب کے برعکس کرنسی حکومتوں کو بھی کنڑول کرتی ہے۔ ساڑھے تین سال کی مدت میں 5600 میل کا سفر طے کرکے جب مئی، 1275ء میں مارکوپولو پہلی دفعہ چین پہنچا تو چار چیزیں دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ یہ چیزیں تھیں: جلنے والا پتھر (کوئلہ)، نہ جلنے والے کپڑے کا دستر خوان (ایسبسٹوس)، کاغذی کرنسی اور شاہی ڈاک کا نظام۔ مارکوپولو لکھتاہے: آپ کہہ سکتے ہیں کہ (قبلائ) خان کو کیمیا گری (یعنی سونا بنانے کے فن) میں مہارت حاصل تھی۔ بغیر کسی خرچ کے خان ہر سال یہ دولت اتنی بڑی مقدار میں بنالیتا تھاجو دنیا کے سارے خزانوں کے برابر ہوتی تھی۔ لیکن چین سے بھی پہلے کاغذی کرنسی جاپان میں استعمال ہوئی۔ جاپان میں یہ کاغذی کرنسی کسی بینک یا بادشاہ نے نہیں بلکہ پگوڈا نے جاری کی تھی۔ کہاجاتاہے کہ کاغذی کرنسی موجودہ دنیا کا سب سے بڑادھوکا ہے۔ اوراب ارتقائی مراحل سے گزرتے گزرتے یہ ڈیجیٹل ہوگئی ہے اور آئندہ پتانہیں کیا شکل اختیار کر جائے۔ اسلام نے یقینا بنی نوع انسان کو ایک مکمل نظام حیات فراہم کیا ہے جس میں عبادات کے علاوہ معاشیات اور معاشرت کے مسائل کا حل بھی ملتاہے۔ بیوع سے لی کر خیارات تک اور عقود سے لے کر حدود تک تمام معاملات کی راہنمائی ہمیں دین اسلام سے ملتی ہے۔ زیر نظر مقالہ میں زر کی تعریف سے ابتداء کرتے ہوئے اسکے ارتقائی مراحل کا جائزہ لیں گے اور دیکھنے کی

کوشش کرینگے کہ اسلام اس پیش رفت کو کس تناظر میں دیکھتا ہے۔اسلام نے ہمیشہ حصول علم کو ترجیح دی ہے اور سراہا ہے پھر وہ علم معاشیات کا ہو یا سیاسیات کا، کرنسی کو زر یا زر مبادلہ بھی کہتے ہیں۔روپیہ کی ایجاد سے پہلے لین دین اور تجارت "چیز کے بدلے چیز "(یعنی بارٹر نظام) کے تحت ہوتی تھی مثلاً گندم کی کچھ بوریوں کے عوض ایک گائے خریدی جاسکتی تھی۔اسی طرح خدمت کے بدلے خدمت یا کوئی چیز ادا کی جاتی تھی۔لیکن گندم اور گائے کی صورت میں لمبی مدت کے لیے بچت ممکن نہیں ہوتی۔اس لیے کسی دوسری کرنسی کی ضرورت موجود تھی جس میں بچت بھی آسان ہو۔

زر کی تعریف: جو چیز عرفاً آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہو اور وہ قدر کا پیمانہ ہو اور اس کے ذریعے مالیت کو محفوظ کیا جاتا ہو اسے زر کہتے ہیں۔یہ تین خصوصیات جس چیز میں پائی جاتی ہوں اس کو معاشی اصطلاح کے مطابق عربی میں نقد اور اردو میں زر کہتے ہیں[1]

زراور کرنسی میں فرق: زر اور کرنسی دونوں آلہ تبادلہ ہیں لیکن زر کو قانونی طور پر آلہ تبادلہ قرار نہیں دیا گیا ہوتا جب کہ کرنسی کو آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہوتا ہے جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

زر وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے تبادلہ ہوتا ہے۔قدر کی پیمائش ہوتی ہو اور مالیت کا تحفظ بھی ہو مگر یہ ضروری نہیں کہ قانونی طور پر بھی اس کو جبری آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو مثلاً چیک یا انعامی بانڈز جیسی دستاویزات سے لوگ تبادلہ کرتے ہیں۔لیکن اگر کوئی شخص انعامی بانڈ سے ادائیگی کرے اور دوسرا شخص اپنا حق انعامی بانڈ کی صورت میں لینے پر آمادہ نہ ہو تو اس کو قانوناً لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔اور کرنسی وہ زر ہے جس کو خاص ملک میں قانونی طور پر آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو جیسے روپیہ، اگر کوئی شخص روپے میں ادائیگی کرے تو قانوناً اسے لینے پر مجبور کیا جائے گا[2]

زر کے ارتقائی مراحل: زر چونکہ ایک حالت پر نہیں رہا زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس میں بھی تبدیلیاں آتی رہیں۔زر کن کن مراحل سے گذر کر موجودہ حالت کو پہنچا؟اس کا ہم ذیل میں جائزہ لیتے ہیں۔

1. زمانہ قدیم میں جب انسانی تہذیب کا ابتدائی دور تھا تو لوگوں کی ضروریات زندگی بڑی محدود ہوا کرتی تھیں۔ہر شخص جو کچھ پیدا کرتا اسی پر گذارہ کرنے کا عادی تھا۔اجتماعی زندگی کی بجائے انفرادی زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ذرائع نقل وحمل غیر ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے اشیاء کی تجارت زیادہ نہ تھی۔چونکہ زر کا تصور موجود نہیں تھا۔اس لیے معاشی احتیاجات کی تکمیل کی خاطر کسی حد تک براہ راست اشیاء کا تبادلہ ہوتا تھا یعنی شئے کے بدلے شئے کا لین دین۔مثال کے طور پر کاشت کار اپنی طلب سے زائد اناج کے بدلے کپڑا، جوتے اور دیگر گھریلو چیزیں حاصل کرلیتا تھا۔اس عمل کو براہ راست تبادلہ یا بارٹر سسٹم کہا جاتا ہے[3]۔

پہلا مرحلہ موجودہ زمانے میں: بارٹر سسٹم میں چند دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان دشواریوں کو ہم فصل دوم میں ذکر کریں گے۔اس لیے آہستہ آہستہ یہ طریقہ متروک ہو گیا تاہم اس کی ایک صورت موجود زمانے میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔البتہ اس قسم کے تبادلے اب بھی بعض جگہ نظر آتے ہیں، مثلاً اپنے گلی کوچوں میں بعض ہاکروں کو دیکھا ہو گا کہ وہ پرانے کپڑے، پرانے جوتے اور اخبارات کی ردی لے کر اس کے بدلے میں برتن پیالے وغیرہ دیتے ہیں[4]۔

2. اس کے بعد ایک اور نظام جاری ہوا جسے زر بضاعتی کا نظام کہا جاتا ہے۔ اس نظام میں لوگوں نے مختلف مخصوص اشیاء کو بطور ثمن کے تبادلے کا ذریعہ بنایا۔ اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلے کا ذریعہ بناتے جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں۔ مثلا کبھی اناج اور گندم کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا۔ مگر ان اشیاء کو تبادلے میں استعمال کرنے میں نقل و حمل کی بہت سے مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لیے جیسے جیسے آبادی بھی بڑھتی گئی اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا اور تبادلہ بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہونے لگا۔ تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلے کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہوا ہے اس میں تو بہت سی مشکلات ہیں۔ لہذا تبادلے کو کائی ایسا طریقہ ہونا چاہیے جس میں نقل و حمل کم سے کم ہو جائے اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو[5]۔

3. آخر کار تیسرے مرحلہ میں جا کر لوگوں نے سونے چاندی کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا۔ اس لیے کہ یہ دونوں قیمتی دھاتیں ہیں۔ اور چاہے یہ زیور کی شکل میں ہوں۔ یا برتن کی شکل میں ہوں ان کی اپنی ذاتی قیمت بھی تھی۔ اور اس کی نقل و حمل اور ذخیرہ اندوزی بھی آسان تھی۔ حتی کہ ان دونوں قیمتی دہاتوں نے اشیاء کی قیمتوں کے لیے ایک پیمانہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دہاتوں پر اعتماد کرنے لگے اس نظام کو نظام زر معدنی کہا جاتا ہے[6]۔

تیسرے مرحلے کا ارتقاء: جب لوگوں نے سونے چاندی کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس ذریعہ تبادلہ میں بہت سے تغیرات اور انقلابات آئے جن کو اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

ابتداء میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور کرنسی استعمال کرتے جو وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا۔ کوئی ڈھلے ہوئے برتن اور زیور کی شکل میں ہوتا تھا۔ لیکن تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا[7]۔

اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہو گیا۔ بعض شہروں میں سونے کے ڈھلے ہوئے سکے اور بعض شہروں میں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے رواج پاتے گئے۔ جو ضخامت وزن اور خالص سونے کے اعتبار سے برابر اور مساوی ہوتے تے۔ اور جن پر دونوں طرف سے مہر ثبت ہوتی تھی۔ جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ سکے درست اور تبادلے کے قابل ہیں۔ اور اس سکے کی ظاہری قیمت جو اس پر لکھی ہوتی تھی ۔ گویا کہ سکے کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی قیمت سونے کی اس ڈلی کے برابر ہوتی تھی جو سکے کے ہم وزن ہو۔ اس نظام کو معیاری قاعدہ زر کہا جاتا ہے[8]۔

مبادلۃ المال بالمال میں پیش آمدہ دشواریاں: زر کے بیان کردہ ارتقائی مراحل میں سے پہلا مرحلہ تھا مبادلۃ الشئ بالشئ (بارٹر سسٹم)۔ مبادلۃ الشئ بالشئ میں چند دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ طریقہ آہستہ آہستہ متروک ہو گیا۔ اس فصل میں مبادلۃ الشے بالشئ میں پیش آمدہ چند دشواریوں کو ذکر کیا جائے گا۔

1. **مشترک معیار قدر کا نہ ہونا:** براہ راست اشیاء مبادلہ کے تحت مختلف اشیاء کی قدر کی پیمائش کے لیے کوئی مشترک معیار یا اکائی موجود نہیں ہوتی اس لیے باہمی تبادلے میں آنے والی اشیاء یا خدمات کی اصل قدر معلوم کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مثلا ایک شخص پانچ سیر گھی کے بدلے

، کسی دوسرے سے دو من گندم حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ ممکن ہے مؤخرالذکر گندم کو گھی کی نسبت زیادہ اہمیت دے۔ اور یوں وہ گھی کی زائد مقدار کا مطالبہ کرے۔ مگر پہلا شخص اس پر راضی نہ ہو۔ ایسی صورت حال میں ان اشیاء کا تبادلہ ممکن نہیں رہے گا کیونکہ ان کی قدر کو ماپنے کے لیے معیار نہیں۔ چنانچہ پیمائش قدر کے لیے مشترک معیار نہ ہونے کی وجہ سے اشیاء وخدمات کے تبادلہ کی رفتار سست رہتی ہے، اور تجارت کا دائرہ وسیع نہیں ہوتا[9]۔

2. **ضروریات کی دوطرفہ عدم مطابقت:** اشیاء کے براہ راست تبادلہ میں سب سے بڑی دقت یہ پیش آتی کہ ہر شخص کو ایسا آدمی تلاش کرنا پڑتا ہے جو اس اپنی شئے لے لے۔ اور اس کی ضرورت کی شئے دیدے۔ مثلاً ایک عورت کے پاس کچھ گھی ہو اور وہ اس کے عوض کپڑا حاصل کرنا چاہتی ہو تو اسے وہ شخص تلاش کرنا پڑے گا جس کے پاس کپڑا بھی موجود ہو۔ اور اسے گھی کے بدلے دینے کو تیار بھی ہو۔ اس قسم کی تلاش میں کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اور بڑی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ ایسا اتفاق شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ دو ایسے افراد مل جائیں جن کو ایک دوسرے کے شئے کی ضرورت ہو[10]۔

3. **عدم تقسیم پذیر اشیاء:** بعض اشیاء عدم تقسیم پذیر ہونے کی بناء پر بارٹر سسٹم کے تحت قابل تبادلہ نہیں ہوتیں۔ بالفرض کسی شخص کے پاس ایک بھینس ہے، جس کے بدلے وہ آٹھ بکریاں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف اگر بکریوں کا مالک ان میں سے صرف چار دے سکتا ہے جو بھینس کی مالیت کے نصف کے برابر ہیں۔ لیکن بھینس کو عملی طور پر دو حصوں میں منقسم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لہذا ایسی چیزوں کی عدم تقسیم پذیری کے باعث براہ راست مبادلہ کے نظام میں رکاوٹ آتی ہے[11]۔ مشکل یہ تھی کہ خراب ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مختلف چیزیں جیسے چاول، گندم، سبزیات، پھل وغیرہ دیر تک ذخیرہ نہیں کی جا سکتیں۔

علاوہ ازیں چوری کے احتمال کی بناء پر ان کی ہمہ وقت حفاظت کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ مزید ایسی چیزوں کے رکھنے کے لیے جگہ کا مسئلہ ہوتا ہے۔ ذکر کردہ مشکلات کی وجہ سے ہر جگہ اور ہر وقت اس طریقہ پر عمل کرنا دشوار ہوتا تھا۔ اس لیے آہستہ آہستہ یہ طریقہ متروک ہو گیا[12]۔

باب (۲): سکہ اور اس کا ارتقاء

سکہ کی تعریف: سکہ اصل میں وہ لوہے کا آلہ ہے جس سے روپے وغیرہ ڈھالے جاتے ہیں۔ لیکن مجازاً مسکوک یعنی ڈھلائے ہوئے روپیہ وغیرہ کو بھی سکہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سکہ کے نقوش اس پر آجاتے ہیں[13]۔

سکہ ڈھالنے کی ابتداء: دنیا میں سب سے پہلے سکے ڈھالنے کی ابتدا چینیوں نے ساتویں صدی عیسوی قبل مسیح میں کی[14]

سکہ ڈھالنے کی ضرورت: دنیا کے ابتدائی دور میں چیزوں کا لین دین عام طور پر چیزوں ہی کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔۔۔ دنیا کی تجارت نے جب ذرا ترقی کی تو چاندی سونے کی ڈلیوں کو خرید وفروخت کا ذریعہ بنایا گیا۔ مگر اس میں وزن اور پرکھنے کی دقتوں کا عام طور پر احساس ہوا تو حکومتوں نے عوام کی سہولت کے لیے سکے جاری کر دیے[15]۔

اقسام سکہ: سکہ کی دو قسمیں ہیں (1) سکہ خلقی، (2) سکہ عرفی۔ اگر سکہ سونے چاندی کا ہے تو اس سکہ خلقی کہتے ہیں۔ اور اگر سونے چاندی کا نہ ہو تو اسے سکہ عرفی کہتے ہیں [16]۔

عرفی سکہ دو قسم پر ہے: پھر عرفی سکہ دو قسم پر ہے (۱) متقوم (۲) متبذل۔

متقوم وہ سکہ ہوتا ہے جو سکہ بننے سے پہلے اپنی ایک قیمت رکھا ہے۔ جیسے تانبے، گلٹ اور المونیم کے سکے، کہ ان سکوں کی اصل تانبا، گلٹ اور المونیم ہے۔

اور متبذل وہ سکہ کہلاتا ہے جو سکہ بننے سے پہلے یا سکہ نہ رہنے کی صورت میں اتنی کم قیمت والا ہو جائے کہ موجودہ قیمت کے حساب سے لا شئے سمجھا جائے۔ جیسے کاغذ کے نوٹ، ڈالر، بونڈ وغیرہ [17]۔

دو دھاتی نظام: بعض ممالک نے بجائے ایک دھات کے دو دھات یعنی سونے چاندی دونوں کے سکوں کو کرنسی کے طور پر رائج کیا۔ اور ان دونوں کے آپس کے تبادلہ کے لیے ایک خاص قیمت مقرر کر دی۔ اور سونے کو بڑی کرنسی کے طور پر اور چاندی کو چھوٹی کرنسی کی حیثیت سے استعمال کیا جانے لگا۔ اس نظام کو دو دھاتی نظام کہا جاتا ہے [18]۔

دو دھاتی نظام کی مشکلات: لیکن اس نظام میں دوسری مشکلات پیدا ہو گئیں۔ وہ یہ کہ سونے اور چاندی کے سکوں میں آپس میں تبادلے کے لیے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہو جاتی تھی۔ جس کی بناء پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے۔ مثلاً امریکہ میں ایک سونے کے سکے کی قمیت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بعینہ اسی وقت یورپ میں ایک سونے کے سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکوں کے برابر ہوتی۔ اس صورت حال میں تاجر امریکہ سے سونے کے سکے جمع کرنے یورپ میں فروخت کر دیتے تاکہ وہاں ان کو زیادہ چاندی حاصل ہو جائے۔ اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکہ لا کر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر دیے۔ اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جا کر یورپ میں فروخت کر دیتے اوعر اس کے بدلے چاندی لے آتے۔ لیکن اس تجارت کے سلسلے میں امریکہ کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا۔ گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکہ سے باہر نکال دیا۔ پھر جب سن 1834ء میں امریکہ نے سونے اور چاندی کے سکوں میں اس تناسب کو بدل دیا۔ اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے سولہ سکوں کے مساوی قرار دے دیا۔ تو معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا، اور اب سونے کے سکے امریکہ میں منتقل ہونا شروع ہو گئے، اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے۔ گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکہ سے نکال دیا [19]۔

عہد جاہلیت کے سکے: عہد جاہلیت میں مختلف اقوام کے اپنے اپنے سکے تھے۔ مگر زیادہ چلن مندرجہ ذیل سکوں کا تھا۔

1. **دینار:** جن سکوں کا سب سے زیادہ رواج تھا ان میں ایک دینار تھا۔ دینار کا سکہ روم، شام، مصر وغیرہ میں رواج پذیر تھا۔
2. **درہم:** درہم وہ دوسرا سکہ تھا جو مقبول عام تھا۔ درہم کا رواج زیادہ تر عراق فارس وغیرہ میں تھا۔ [20]

3. **اسلامی سکہ:** اسلام سے پہلے عرب میں ایرانی اور رومی سکے چلتے تھے حضرت عمرؓ کے عہد میں سن ۱۸ھ میں اسلامی سکہ ڈھالا گیا۔ بعض کا نقش، الحمد اللہ بعض کا لاالہ الا اللہ اور بعض کا محمد رسول اللہ قرار دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب دراہم ڈھالے گے تو ان پر اللہ اکبر کندہ کیا گیا۔

تحقیق یہ ہے کہ عہد خلافت راشدہ میں صرف دراہم ڈھالے گئے دینار نہیں ڈھالے گئے۔ دینار بنوامیہ کے عہد میں عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ڈھالے گئے۔[21]

وذکر فی المغرب ان ھذاالجمع والضرب کان فی عھد نبی امیۃ۔ وذکر المرغینانی ان الدرھم کان شبیہ النواۃ وصار مدورا علیٰ عھد عمر فکتبوا علیہ و علی الدینار لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ۔ وزاد ناصر الدولۃ ابن محمد ان صلی اللہ علیہ وسلم۔[22]

باب(۳): نوٹ اور اس کا ارتقاء

نوٹ کے معنی: نوٹ اصل میں فرانسی زبان کی اصطلاح ہے۔ فرنساوی لغت میں قاموس الاروسبڑی ارومشہور کتاب ہے اس سے بصحیۃ المشتاق میں ص۶۸ پر نقل کیا ہے۔ ورقة البنک ھی عملہ قابلة لدفع قیمتھاعینا لدی الاطلاع لحاملھا وھی یتعامل بھا کما یتاعمل بالعملة المعدینیة نفسھما غیر انہ ینبغی ان تکون مضمونة لیثق الناس بھا۔

بنک کا کاغذ (عملہ) وسکہ معدنیہ کا کاغذ ہے اس کی قیمت نقد اس کے حامل کو اطلاع کے وقت ادا کرنے کے قابل ہے اس کے ساتھ بالکل معدنی سکہ کی طرح معاملہ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ اس کی ضمانت ہونی چاہیے۔ تاکہ لوگ اس سے معاملہ کرنے میں بھروسہ کر سکیں[23]

نوٹ کی ابتداء: سکے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے۔ اگرچہ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل وحمل آسان ہے۔ لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے۔ اس لیے مالداروں کے لیے ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا۔ چانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے۔ اور وہ سنار اور صراف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید جاری کر دیتے۔ آہستہ آہستہ جب لوگوں کو سناروں پر اعتماد زیادہ ہو گیا تو یہ رسیدیں، جو ان سناروں نے امانت قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع وشراء میں بطور ثمن کے استعمال ہونے لگیں۔ لہذا ایک خریدار دوکاندار و کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکے ادا کرنے کے انہی رسیدوں میں سے ایک رسید اس دے دیتا۔ اور دوکاندار ان سناروں پر اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کر لیتا۔

یہ ہے کاغذی نوٹ کی ابتداء۔ لیکن ابتدا میں نہ اس کی کوئی خاص شکل وصورت تھی اور نہ ان کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے۔ بلکہ اس کے قبول کرنے اور رد کرنے کا دارومدار اس بات پر تھا کہ قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سنار پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔[24]

باظابطہ بینک نوٹ کااجراء: جب سن ۱۷۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کارواج زیادہ ہو گیاتوان رسیدوں نے ترقی کر کے ایک باضابطہ صورت اختیار کر لی جسے بینک نوٹ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سوئیڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اس وقت جاری کرنے والے بینک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا۔

اور بینک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے کہ جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے بینک جا کر اس ک بدلے سونے کی سلاخ حاصل کر لے۔ اسی وجہ سے ان نظام کو سونے کی سلاخوں کا معیار کہا جاتا ہے۔[25]

مگر بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ زر کاغذی کی ایجاد سب سے پہلے جب چین کا سفر کیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں ایک درخت کی چھال سکہ جاری ہے۔ جو لین دین میں سونے چاندی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد تیرہویں اور چودھویں صدی میں فارس اور جاپان کی حکومتوں نے بھی چین کی تقلید کی۔ یورپ نے اس کے استعمال اور فوائد کو صدیوں بعد محسوس کیا۔[26]

نوٹ کی قانونی حیثیت: فهذه هي بداية بنک نوت----ثم لماكثر التعامل بها منعت الحكومات ان يصدرها الاشخاص واقتصر اصدارها على البنوت ثم لما اذداد شيوعها جعلتها الحكومات ثمنا قانونيا- وجبرت كل دائن ان يقبلها فى اداء دينه كما ليجبر بقبول النقور. وحينئذ منعت البنوک ان تصدرها الاالبنک الرئيسى الحكومى. وحينئذ صارت هذه الاوراق فى حكم النقور سواء بسواء۔[27]

نوٹ میں ہونے والے تغیرات :تاجروں کے ان کاغذی نوٹوں پر عام بھروسہ کر لینے کہ وجہ سے حکومت کو اس بات کا یقین تھا کہ تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں ہونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا۔ تو اس نے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں درپیش مشکلات کو دور کرنے کے لیے کاغذی نوٹو کی بہت بڑی مقدار جاری کر دی جو سونے کی موجودہ مقدار کی تناسب سے زیادہ تھی۔ ایسے نوٹوں کو زر اعتباری کہا جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ زر اعتباری کی تعداد ملک میں موجود سونے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گئی تو حکومت کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت کڑی شرطیں لگادیں۔ جس کی وجہ سے عام لوگ اس سہولت سے محرم ہو گئے۔ پھر سن ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت کر دی اور لوگوں کو مجبور کیا وہ صرف ان نوٹوں پر اکتفا کریں۔ لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون برقرار رکھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سن ۱۹۴۴ء میں تمام کرنسیاں امریکی ڈالر سے اور امریکی ڈالر کو سونے سے وابستہ کرتے ہوئے بین الاقوامی تجارت میں آلہ تبادلہ ڈالر کو قرار دے دیا گیا۔ دارانحالیکہ امریکہ ڈالر پہ سونا دینے کو تیار تھا۔ امریکہ میں سونے کی بہت قلت ہوگئی۔ چنانچہ ۱۵ اگست سن ۱۹۷۱ء کو امریکہ نے ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کر دیا۔ اس طرح کاغذی نوٹ کا سونے سے مستحکم رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہوگئی۔ اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کررہے ہیں۔ تاہم اب تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی سونے کا مالی نظام کی بنیاد مقرر کیا جائے۔[28]

نوٹ کی ثمنیت: نوٹ حوالہ ہے یا ثمن، اس پر بحث کرنے سے پہلے مناسب اور ضروری معلو ہوتا ہے کہ حوالہ اور ثمن کی تعریف ذکر کی جائے تاکہ بات مکمل واضح ہو جائے۔

حوالہ کی تعریف: هي لغة النقل ، وشرعا نقل الدين من زمة المحيل الى ذمة المحتال عليه۔[29]

حوالہ کے لغوی معنی ہیں منقل کرنا، اور شرعی معنی ہیں محیل کے ذمہ سے محتال علیہ ذمے دین منتقل کرنا۔ وفي المغرب تركيب الحوالة يدل على الزوال والنقل ،ومنه التحويل وهو نقل الشئى من محل الى محل. وهي في الشرع. نقل المطالبة من زمة المديون الى ذمة الملتزم۔[30] اور مغرب میں ہے حوالہ کی ترکیب ختم ہونے پر اور منتقل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اسی حوالہ سے لفظ تحویل بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ اور اس کے شرعی معنی ہیں مدیون کے ذمہ سے ملتزم کے ذمہ مطالبہ منتقل کرنا۔

ثمن کی تعریف: مولانا اشرف علی الفاروقی التھانویؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب کشاف اصطلاحات الفنون میں ثمن کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ الثمن بفتحتين هو مايلزم بالبيع ، وان لم يقوم به كذافى جامع الرموز ---- والحاصل أن مايقدرة العاقد ان بكونه عوضا للمبيع فى عقد البيع يسمىٰ ثمنا ---- وفي البرجندى في فصل الصرف قال الفراء :الثمن عند العرب مايكون دينا في الذمة والدراهم والد نانير لاتستحق بالعقد الادينا في الذمة ---- والثمن اذا أطلق يراد به الدراهم والدنانير۔[31]

ثمن (ث اور میم کے فتحہ کے ساتھ) اس کو کہتے ہیں جو بیع کے ذریعے لازم ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی قیمت مقرر نہ کی گئی ہو۔ کذافی جامع الرموز حاصل کلام یہ ہے کہ ثمن وہ ہوتا ہے جسے عاقدین عقد بیع میں مبیع کے عوض کے طوپر مقرر کرتے ہیں۔

اور برجندی کی فصل صرف میں ہے کہ فتراء فرماتے ہیں، عرب اس چیز کو ثمن کہتے ہیں جو ذمہ میں طور دین لازم ہو۔ دراہم اور دنانیر سے عقد اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ بطور دین زمہ میں لازم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ جب مطلق ثمن کا ذکر کیا جائے تو دراہیم اور دنانیر ہی مراد ہوتے ہیں۔

نوٹ ابتدائی دور میں حوالہ تھا: نوٹ اپنے ابتدائی دور میں قرض کی سند، دستاویز اور حوالہ تھے۔ اسی لیے اس وقت کے علماء عظام و فقہائے کرام نے یہ فتویٰ دیا کہ نوٹ قرض کی سند اور حوالہ ہیں۔ ان فتاویٰ میں سے چند ایک کو آنے والی سطور میں ذکر کیا جاتا ہے۔

چنانچ علامہ سید احمد لبیک الحسینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب بھجۃ المشتاق فی بیان حکم زکوۃ الاوراق میں تحریر فرماتے ہیں۔

في تعريف أوراق البنک. حيث قال: ورقة البنک هي ورق عملة قابلة لدفع قيمتها عينا لدی الاطلاع لحاملها وهی يتعامل بها كمايتعامل بالعملة المعدنية نفسها غيرأنه ينبغی أن تكون مضمونة ليثق الناس بالتعامل بها ---- فقوله قابلة لدفع قيمتها عينا لدی الاطلاع لحاملها لم ليجعل شكافي انها سندات ديون، ولا عبرة بما توهمه عبارته من العامل بها كما يتامل بالعمل المعدنية لان معنی تلک العبارة أن الناس يأخذونها بدل العملة ،ولكن مع ملاحظة أن قيمتها تدفع لحاملها، وانما مضمونة بدفع قيمتها. وهذا صريح فی ان تلک الاوراق سندات ديون ----------- وعبارته اخذتها من بلوغ الامانی شرح فتح الربانی۔[32]

اسی وجہ سے گذشتہ صدی میں ہندوستان کے بہت سے علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ نوٹ حوالہ اور قرض کی سند ہے۔

نوٹ وثیقہ اور سند ہے اس مقدار روپیہ کی جو اس کے اندر تحریر ہے، وہ خود مال نہیں۔اور اس مقدار کاغذ کی قیمت نہیں ہوسکتی۔اور نہ عرفاوہ کاغذ اتنی قمیت کا سمجھا جاتا ہے۔[33]

امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانویؒ ذکر فرماتے ہیں۔

نوٹ حقیقت میں سند ہے روپیہ کی اور اس روپے پر ہر وقت اس کو قدرت حاصل ہے جب چاہے حاصل کرے۔ پس نوٹ خود گو مال نہیں ہے مگر جس روپیہ کی وہ سند ہے وہ مال ہے۔[34]

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا بھی یہیں فتویٰ ہے۔

نوٹ ایک سند ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے اس روپے کی مقدار کے موافق عطا کی جاتی ہے جو خزانہ شاہی میں داخل کیا جاتا ہے۔اس کا رواج اس کے عموم رقم کی وجہ سے ہے یعنی اس میں کسی خاص شخص کا نام مرقوم نہیں ہوتا گورنمنٹ ہر اس شخص کو اس روپیہ ادا کرنے کی ذمہ دار جو اس سند کو اس کے پاس لے جائے۔[35]

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ ایک فقیہ العصر کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ رسید کے نوٹ یا ریال کے نوٹ یاڈالر، کہ سب مال نہیں ہیں، رسیدیں ہیں وہ مال کی۔[36]

آلات جدیدہ کے شرعی احکام میں مولانا مفتی شفیع محمد صاحبؒ نے نوٹ کے حوالہ اور سند ہونے کو عقلی دلیل سے ثابت کیا ہے:

اول ایک مقدمہ سمجھ لیناچاہیے وہ یہ کہ حقیقت نوٹ کی کیا ہے؟ سو حقیقت نوٹ کی یہ ہے کہ جس وقت اول میں روپیہ دیگر گورنمنٹ سے نوٹ لیا تھا۔ گورنمنٹ اس روپیہ کی مقروض ہو گئی۔اور نوٹ اس قرض کی سند ہے۔ پس اصل حق مالک کا وہ روپیہ ہے۔اور آئندہ کسی کو نوٹ دینا اپنے اس قرضہ کا بذمہ گورنمنٹ حوالہ کر دینا ہے۔۔جب جلے ہوئے دکھلانے سے روپیہ مل جاتا ہے،اس سے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سرکار بھی نوٹ کو سند مال سمجھتی ہے۔ جیسے کپڑا خریدا اور وہ جل جائے۔تو اس کو جلا ہو دکھلا کر کیا کوئی شخص روپیہ لے سکتا ہے۔[37]

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ بھی نوٹ کے سند اور حوالہ ہونے کے قائل تھے۔ایک استفتاء کے جواب میں آپ لکھتے ہیں:

نوٹ خود چاندی یا سونے کا سکہ نہیں بلکہ یہ اس کی رسید ہے جو گورنمنٹ یا بینک کے ذمہ بطور قرض موجود ہے اور اس کی وصولیابی پر اس نوٹ کے ذریعہ قدرت حاصل ہے۔(38)

تمام دنیا کے نوٹوں کی عبارت: علامہ سید احمد نیک حسینی نے سن ۱۳۲۹ھ میں نوٹ کی حقیقت پر شرعی نقطہ نظر اور عام حکومتوں کے قوانین کی رو سے محققانہ بحث کی، اور تمام حکومتوں اور بینکوں کے نوٹوں کے نقشے اور ان کی عبارات کو جمع کیا ہے، سب کی تحریریں اس پر متفق ہیں کہ یہ اوراق حامل رقم کے لیے سند دیون ہیں، اور ان پر رقم کی ادائیگی کا وعدہ تحریر ہے، کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ نوٹ پر صرف رقم لکھ دی جاتی ہے اور پوری تفصیل نہیں لکھی جاتی چونکہ قانون سب کو معلوم ہے۔ حتیٰ ان بعض الحکومات اکتفت وضع المبلغ فی الورقۃ ولاتذکر التفاء بالقانون الذی صدر تحریر ھذہ الاوراق فانہ کافل، لان الورقۃ متی قدمت لمن اصدرھا وجب علیہ ان یدفع لحاملھا حالا۔ (39)

بعض حکومتیں نوٹ پر صرف رقم لکھنے پر اکتفاء نہیں کرتی ہیں اور نوٹ کے قانون کو کافی سمجھتی ہیں، کیونکہ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جس شخص کے پاس یہ کاغذ ہے یہ قرضہ کی سند ہے اور حکومت اس کے حامل کو اتنے روپے دینے کی ذمہ دار ہے(40)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نوٹ اپنے ابتدائی دور میں حوالہ اور سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ اکابر کے فتاویٰ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

نوٹ اب ثمن عرفی بن چکا ہے: موجودہ دور کے بعض علماء کرام مندرجہ بالا دلائل کو پیش نظر رکھ کر تا حال اس بات کے قائل ہیں کہ نوٹ حوالہ اور سند ہے۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ عرف کے تبدیل ہو جانے سے شریعت کے احکام تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ سابقہ زمانے میں سونا چاندی سے ہر جگہ، ہر وقت ہر چیز خریدی جا سکتی تھی بعینہ موجودہ زمانے میں ہر جگہ ہر وقت ہر چیز نوٹ سے خریدی جا سکتی ہے۔ اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ عرف کی تبدیلی کی وجہ سے نوٹ بھی حوالہ اور سند سے نکل کر ثمن عرفی میں داخل ہو چکا ہے۔

مسند احمد کے شارح علامہ احمد ساعاتیؒ فرماتے ہیں: فالذی أراہ حقا، وادین اللہ علیہ: ان حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکاۃ سواء بسواء لانہ یتعامل بہ کالنقدین تماما، ولان مالکہ یمکنہ صرفہ وقضاء مصالحہ بہ فی ای وقت شاء۔ (41)

میرے نزدیک صحیح بات جس پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوں کہ زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی ادائیگی کے مسئلہ میں ان کاغذی نوٹوں کا حکم بھی بعینہ سونے چاندی کی طرح ہے۔ اس لیے کہ لوگوں میں ان نوٹوں کا لین دین بالکل اسی طرح جاری ہے جس طرح سونے چاندی کا لین دین رائج ہے۔ اور ان نوٹوں کے مالک کو اس کا بالکل اختیار ہے کہ وہ جس وقت چاہے ان کو خرچ کرے۔

مولانا عبدالحہ صاحبؒ تو نوٹ کو عین ثمن سمجھتے ہیں۔ آپ فتاویٰ عبدالحہ میں ایک مقام پر ذکر فرماتے ہیں۔

نوٹ پر چند کہ خلقۃ ثمن نہیں مگر عرفا حکم ثمن میں ہے بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے، اس وجہ سے کہ اگر سو روپے کے نوٹ کو کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سو روپیہ کا تاوان لیتا ہے۔ اور سو روپیہ کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو اس سے اس کاغذ کی قیمت ملنا مقصود نہیں ہوتی، کیونکہ

ظاہر ہے وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے، بلکہ مقصود سو روپیہ کا بیچنااور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے۔اور سو روپیہ کا نوٹ اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت اداچاہے سو روپیہ کا نوٹ دے یا سو روپیہ، دونوں صورتیں مساوی سمجھی جاتی ہیں۔اور دائن کو مدیون سے کسی ایک کے لینے میں عذر نہیں ہوتا، حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادادے تو دائن نہیں لیتا، بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر ان کی یہ کیفیت نہیں ہے۔اگر ایک روپیہ کے عوض میں کوئی چیز خریدے، یا ایک روپیہ کسی سے قرضہ لے اور ادا کے وقت ایک روپیہ کے پیسے دے۔ تو دائن یا فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے، اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے، پس اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کہ یہ عین ثمن خلقی ہے، گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہے۔(42) مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی کی رائے بھی یہی ہے کہ نوٹ ثمن عرفی بن چکا ہے۔غرض نوٹ ثمن اصطلاحی صورتاً اور ثمن خلقی قانوناً و عرفاً و معنیً ہے۔(43) ہندوستان کے جید عالم، جدید فقہی مسائل کے مصنف مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے بھی علامہ فتح محمد صاحب لکھنویؒ کی تحقیق سے اتفاق کیا ہے۔

آج کل کاغذی نوٹوں کا استعمال جس قدر بڑھ گیا ہے اس کے پیش نظر راقم الحروف (مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی) کی رائے وہی ہے جو علامہ لکھنوی کی ہے۔اور میرے خیال میں اس کی حیثیت فلوس نافقہ اور مستقل ماں کی ہے۔(44)

جسٹس مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کے نزدیک بھی قوی اور راجح قول یہی ہے کہ نوٹ موجودہ دور میں ثمن عرفی بن چکا ہے۔

وبالجملة صارت لهذه الاوراق اليوم كالنقور فالذى أرى أن بثمنيتها أصبح قويا، منذأن جعلتها الحكومات أثمانا قانونية، وجبرت الناس بقبولها عند اقتضاء ديونهم، ومنعت البنوک الشخصية من اصدارهاء وجبرت بها التعامل العام فيما بين الناس دون فرق بينها وبين العملة المسكوكة۔(45)

عرفی کی تعریف: قال فى المستصفىٰ العرف والعارة مااستقرفى النفوس من جهة العقول وتلقته الطبائع السليمة بالقبول. وفي نشرح التحرير، العارة هى الامر المتكرر من غير علاقة عقلية۔(46)

مستصفیٰ میں ہے، عرف اور عادت اسے کہتے ہیں جو عقل کے ذریعے دلوں میں گڑ جائے اور طبع سلیم اسے قبول کر لے۔شرح تحریر میں ہے عادت وہ ہوتی ہے جو انسان سے بغیر عقل کے تعلق کے بار بار سرزد ہو۔

کیا عرف کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے؟

اسلام رہتی دنیا تک کے لیے آیا ہے۔پوری کائنات کے لیے آیات ہے اس لیے اس میں عرف و عادات پر بھی نظر رکھی گئی ہے، ضروریات کا بھی لحاظ کیا گیا فقہ کے بہت سے مسائل میں عرف اور عادت کا اعتبار کیا گیا یہاں تک کہ اسے قانون کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

القاعده السادسة العارة محكمة. واصلها قوله عليه الصلوٰة والسلام ماراٰه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن. قال العلائى لم اجده مرفوعافى شئى.واعلم ان اعتبار العارة والعرف ترجع اليه فى الفقه فى مسائل كثيرة. حتى جعلوا ذلک اصلا. فقانوا فى الاصول فى باب ماتترک به الحقيقة، تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعارة۔[47]

چھٹا قاعدہ عارت محکمہ ہے۔ جس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے جسے مسلمان اچھا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالی کے ہاں بھی اچھا ہے۔ علامہ علائی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرفوع نہیں ہے۔ جان لینا چاہیے کہ فقہ کے بہت سے مسائل میں عرف اور عادت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اسے قانون کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اصول میں باب ماتترک به الحقيقة کے تحت مندرج ہے عادت اور استعمال کی علالت کی وجہ سے حقیقت کو چھوڑ دیا جائے گا۔

امام فخر الاسلام نے بھی ایسے ہی بیان فرمایا ہے۔ علامہ شامیؒ نے بھی اپنی کتاب شرح عقود رسم المفتی میں یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔والعرف في الشرع له اعتبار: لذا عليه الحكم قديد از والحاصل ان العرف العام لايعتبر اذلزم منه ترک المنصوص وانما اذالزم منه تخصيص النص. وفي شرح البيري عن المبسوط الثابت بالعرف كالثابت بالنص[48]

حاصل کلام یہ ہے کہ کہ اگر عرف کی وجہ سے منصوص کا ترک کلام آرہا ہو تو عرف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر عرف کی وجہ سے نص کی تخصیص لازم آتی ہو تو پھر بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرح البیری عن المبسوط میں ہے۔ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے کہ نص سے ثابت ہو۔

ثمن اصطلاحی کے قبول کرنے کی صراحت: فقہ حنفی اور فقہ مالکی میں ثمن اصطلاحی کے قبول کرنے کی راحت آئی ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور و معروف اور مستند کتاب فتح القدیر میں علامہ کمال الدینؒ فرماتے ہیں۔وينقسم باعتبار الاصطلاح على الثمنية وهوفى الاصل سلعة فان كانت رائجة فهى ثمن لاتتعين بالتعيين وان كانت كاسدة فهى سلعة كالفلوس۔[49]

اموال کی دوسری قسم ثمن اصطلاحی ہے جو اصلیت میں سامان ہے اور اگر (سکہ کی طرح) رائج ہوں تو وہ ثمن ہو جاتے ہیں۔ اور جس طرح سکوں کی ذات اپنی اصل کے اعتبار سے مشخص نہیں ہوتی یہ بھی نہیں ہوں گے۔ پھر اگر ان کا رواج ختم ہو جائے تو وہ فلوس کی طرح سامان کی حیثیت میں آجاتے ہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب البحر الرائق میں یہی فرماتے ہیں۔ان الاموال ثلٰثة، ثمن بكل حال وهو النقدان وثمن بالاصطلاح وهو سعلة فى الاصل كالفلوس، فان كانت رائجة فهى ثمن والا فسلعة۔[50]

امام مالک بن انسؒ المدونۃ الکبری میں خوب وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔قال لى مالک فى الفلوس لاخير فيهانظرة بالذهب ولا بالورق، ولوان الناس اجازوابينهم الجلود حتى تكون لها سكة۔[51]

اگر لوگ چمڑے کو بھی بطور سکہ رواج دیدیں تو یہ بھی ثمن کے حکم میں ہو جائے گا۔

کسی چیز میں ثمنیت پیدا ہونے کا اصول: اس بات کا جان لینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز میں ثمنیت پیدا ہونے اور اس کو ثمن تسلیم کرنے کے کیا اصول ہیں جدید فقہی مباحث میں اس پہ بحث کی گئی ہے۔

فقہی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چیزیں تخلیقاً ثمن ہیں یعنی وہ پیدا ہی اس لیے کہ گئی ہیں کہ ثمن کا کام دیں۔ یہ دو (۲) ہیں سونا اور چاندی۔ ثمنیت پیدا ہونے کی دوسری صورت اصلاح یعنی باہمی اتفاق ہے۔ اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ رواج کے اعتبار سے کسی چیز کے ثمن ہونے پر اتفاق کر لیں۔ فلوس نافقہ کو اسی بنا پر ثمن تصور کیا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کسی چیز کے ثمن اصطلاحی بننے اور اس کی ثمنیت پر اتفاق رائے پیدا ہو جانے کا اندازہ کس طرح کیا جائے گا۔ تو ہمارے زمانے کے لحاظ سے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ عوام میں بطور خود اس کا چلن ہو جائے جیسا کہ قدیم کتب فقہ میں مذکور ہے۔ مگر اس زمانے میں نظام زر پر کنٹرول کرنے کے لیے جو اصول و قواعد مقرر ہیں۔ اور جو نہ صرف تولی اور ملکی بین الاقوامی سطح پر نافذ ہیں، کے تحت بظاہر ایسا ہونا ممکن نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حکومت کسی چیز کو ثمن قرار دیدے اور یوں عوام اس کے قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہی شکل اس وقت پوری دنیا میں جاری و ساری ہے۔[52]

تفصیل مذکور کو مد نظر رکھتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نوٹ کی حیثیت فی زماننا اصطلاحی ثمن کی ہو گئی ہے۔ اور ہمارے زمانے کے عرف کے لحاظ سے اس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

نوٹ کے ثمن قرار دی جانے کی عقلی وجہ: عرف اور عادت کی وجہ سے ایک زمانے میں فلوس کو ثمن قرار دیدیا گیا۔ تو اس زمانے میں نوٹ کو وہ ہی حیثیت حاصل ہے جو فلوس کو حاصل تھی۔ تو اس ثمن عرفی یا ثمن اصطلاحی قرار دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ سونا چاندی کے علاوہ جس طرح دوسری چیزیں ثمن عرفی بن سکتی ہیں اسی طرح کرنسی نوٹ بھی ثمن عرفی قرار پا سکتے ہیں۔

نوٹ کو حوالہ ماننے کی صوت میں لازم آنے والی دشواریاں: نوٹ کو حوالہ ماننے کی صورت میں لازم آنے والی دشواریوں میں بڑی خرابی اور مشکل زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی ادائیگی میں پیش آئیگی۔ جدید فقہی مباحث میں لازم آنے والی مشکلات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

سونے چاندی اور دیگر دھاتوں کے سکے ناپید ہونے کی وجہ سے نوٹ کو حوالہ ماننے کی صورت میں بے حد دشواریاں آ گئی ہیں۔ حوالہ مان کر چلنے میں زکوۃ، صدقہ فطر اور دیگر کفارات کی ادائیگی مشکل ہے۔ بیرونی اور مقامی فقراء ہر دو کے لیے مشکلات ہوں گی۔ نیز فقیر کی ہر قسم کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں سونے چاندی کی خریداری سب سے زیادہ مشکل ہو گی۔ غریب آدمی زکوۃ کے نوٹ لے کر ریل، بس وغیرہ کا سفر نہیں کر سکتا، نہ اپنا قرضہ ادا کر سکتا ہے، نہ مکان کا کرایہ یا بجلی پانی کا کرایہ دے سکتا ہے۔ غرض یہ رقتیں ایسی ہیں جس سے زندگی کا نظام خراب ہو کر رہ جائے گا۔ اور نوٹ کو حوالہ ماننے کی صورت میں دنیاوی اور دینی سارے کاروبار درہم برہم ہو جائیں گے، اور غیر معمولی حرج واقع ہو گا۔ معیشت میں ناقابل برداشت تنگی پیدا ہو جائے گی۔[53]

مذکورہ مشکلات کی وجہ سے ایسی صورت اختیار کرنا لازمی ہے کہ جملہ ضروریات باآسانی پوری بھی ہوسکیں اور شریعت کے کسی قانون کی بھی خلاف ورزی لازم نہ آئے مشہور ضابطہ بھی ہے۔الامر اذاضاق اتسع[54]

الشیخ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں۔المشقة تجلب التیسر[55]

ذکر کردہ قواعد کی وجہ سے بھی درپیش مشکلات کو دور کرنے کے لیے کوئی صورت اختیار کرنا لازمی ہے۔

حکومتی توثیق نوٹ کی ثمنیت میں مضر نہیں: نوٹ پہ لکھی ہوئی عبارت حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا سے شبہ ہوتا ہے کہ نوٹ سند اور حوالہ ہے۔عبارت مذکورہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حکومت کا مطالبہ پر ادائیگی کا وعدہ دلیل ہے اس بات کی نوٹ ایک رسید ہے نہ کہ ثمن۔

مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ نے اپنی کتاب عطر ہدایہ میں تفصیل سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے آپ فرماتے ہیں۔نوٹ دو اجزاء اعتبار یہ سے مرکب ہے ایک یہ کہ نوٹ عہد نامہ اداء قرض مرقوم ہے۔دوسرے یہ کہ نوٹ کو حکومت کی طرف بتحکم، ثمن خلقی و سکہ خلقی کی طرح واجب القبول بنائے جانے سے یہ حکما ثمن اصطلاحی متبذل بھی ہے۔پس یہ دو جہتیں ہوا۔الغرض گورنمنٹ سے جو کہ مدیون ہے اس سے بحثیت لین دین میں عہد نامہ کے احکام و آثار مترتب ہیں۔اور باہم رعایا کے لین دین میں ثمن و سکہ اصطلاحی کے احکام مترتب ہوتے ہیں۔۔(نوٹ پہ لکھا ہوا حکومت کی طرف سے وعدہ نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرتا۔اس لیے کہ حکومت کا اصل مقصد یہ تھا) کہ گورنمنٹ نے اپنی تجارت و تمول کو ترقی دینے کے لیے یہ چاہا کہ کاغذ کا سکہ چلایا جائے۔لیکن یہ خیال کر کے اب تک جتنے سکے برضا اتفاق عام یا بتحکم جاری ہوئے ہیں نافذ ہوئے ہیں۔وہ اکثر و بیشتر اصل کے اعتبار سے بھی معتد بہ قیمت رکھتے ہیں۔بخلاف سکہ کاغذ کے کہ یہ اصل کے اعتبار سے لاشئ ہے،اس لیے کہ قیمت مقررہ من حیث ثمنیت کے اعتبار سے لاشئ ہے،اس لیے رعایا اس کو بدون ظلم شدید قبول نہ کرے گی۔اور اس کا چاندی کے روپیہ کی طرح تو کیا پیسوں،ریزگاریوں کے برابر نفاذ و اجراء عام نہ ہوسکے گا۔اور مقصد حکومت یعنی تمول واصل نہ ہوسکے گا۔ہر شخص یہ خیال کرے گا کہ اگر دوسری ایسی سلطنت میں جانا ہوا جہاں اس کا حکومت کی طرف سے مبادلہ بھی نہیں ہوسکتا۔یا انقلاب سلطنت ہوگیا،یا خود گورنمنٹ نے کسی وجہ سے اس کی ملکیت باطل کر دی۔تو ہم بجائے انہی درجے کے تمول کے اعلیٰ درجے کے تمول کے اعلیٰ درجے کے مفلس و نادار ہو جائیں گے اس خیال سے اور اس سے بھی زیادہ اس خیال سے کہ یہ کھلم کھلا عدل کے بھی خلاف ہے،یہ تجویز کی کہ اس سکہ متبذل کے لیے،بخلاف دوسرے سکوں متقومہ کے جو کوئی بھی جب اس کا روپیہ لینا چاہے تو جتنی رقم سرکار کو دی گئی ہے اتنی ہی گورنمنٹ اس کو واپس کرے گی۔حتی کہ اگر یہ ضائع ہو جائے تو محض نمبروں سے ثبوت پیش کرنے ہی سے زر مرقوم دے دیا جائے گا۔کہ یہ بات تو سکہ متقوم میں بھی نہیں۔اس طرح حقیقۃ بھی ازالہ ابتذال ہو کر سکہ متقوم سے زیادہ نافع ہونے سے حکما سکہ متقوم ہو جائے گا۔اور رعایا بھی مطمئن ہو جائے گی۔بلکہ قانونا عین ثمن خلقی،یعنی روپیہ،قرار دئے جانے سے عرفا بھی عین ثمن خلقی سمجھا جائے گا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اور نوٹ حکم نافذ اور عرف جاری دونوں صورتوں سے قیمت مرقومہ پر بدون رد و انکار عرف جاری دونوں صورتوں سے قیمت مرقومہ پر بدون رد و انکار رائج ہو جانے سے شرعا بھی ثمن اور سکہ ہو گیا۔[56]

ثمن خلقی واصطلاحی میں فرق: مذکورۃ بالا تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ نوٹ کی حیثیت فی زماناً کی ہے نہ کہ حوالہ کی لیکن نوٹ کا ثمن ہونا باعتبار عرف کے ہے جبکہ دراہم ودنانیر کی ثمنیت خلقی ہے عرف کے تابع نہیں ثمن عرفی یعنی نوٹ اور خلقی ثمن یعنی دراہیم ودنانیر میں چندوجوہ سے فرق کیا جاتاہے۔ جس کو ذیل میں بیان کیا جاتاہے۔

1. نوٹ کی ثمنیت عرف کے تابع ہے، جب کہ سونا، چاندی یادراہیم ودنانیر کی ثمنیت اصلی ہے عرف کے تابع نہیں۔ان الاموال ثلٰثة، ثمن بكل حال وهوالنقدان. وثمن بالاصطلاح وهو سلعة فى الاصل كالفلوس. فان كانت رائجة فهى ثمن والافسلعة۔[57] اصطلاحی ثمن کارواج جب تک ہے تووہ ثمن رہے گا۔رواج ختم ہوتے ہی اصطلاحی ثمن کی ثمنیت ختم ہوجائے گی۔

2. دوسرافرق یہ ہے کہ دراہیم ودنانیر میں ثمنیت کے ساتھ وزن کااعتبار بھی ضروری ہے۔دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑانہیں جاسکتاجبکہ نوٹ کے آپس میں تبادلہ کی صورت میں ثمنیت اور قیمت میں مساوات ضروری ہے وزن میں مساوات کالحاظ نہیں کیاجاتا۔حدثنا قتيبة بن سعيد قال حدثنا يعقوب يعنى ابن عبدالرحمٰن القارى عن لسهيل عن البيه عن ابى سعيد الخدري ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تبيغواالذهب بالذهب والاالورق بالورق الا وزنا بوزن مثلا بمثل سواء بسواء۔[58]

آپکے فرمان مبارک کامفہوم یہ ہے کہ سونےاور چاندی کی بیع میں وزن کالحاظ اور برابری کی رعایت ضروری ہے۔

کنزالدقائق کے مصنف علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمدؒ لکھتے ہیں۔

وغالب الفضة والذهب فضة وذهب حتى لايصح بيع الخالصة فی نفسہ کوئی قیمت نہیں رکھتے۔ان کے اندر ثمنیت اصطلاح وعرفیت سے پیدا ہوئی ہے۔اس لیے سوناچاندی کے نصاب کے بقدرا گراس کی قیمت پہنچ جائے۔ توزکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں،غرض نوٹ کی نصابیت سوناچاندی کی نصابیت کے تابع ہے۔[59]

---

1 مولانامفتی تقی عثمانی صاحب۔اسلام اور جدید معیشت وتجارت کراچی۔ادارۃالمعارف 1417ھ ص95

2 اسلام اور جودید معیشت وتجارت ص95

3 پروفیسر محمد اکبر ذوگر، تعارف معاشیات لاہور مکتبہ مختار برادرز ص۔101

4 علامہ رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم لاہور رومی پبلی کیشنز اینڈ ٹرز سن ۱۴۱۷ھ، ج۴، ص ۳۵۳

5 مولانامفتی تقی عثمانی صاحب، کاغذی نوٹ اور کرنسی کاحکم۔ کراچی۔ میمن اسلامک پبلشرز سن 1993ء ص8

6 کاغذی نوٹ اور کرنسی کاحکم۔ ص8 نیز: یوسف القرضاوی، فقہ الزکوۃ، لاہور البدر پبلی کیشنز، سن 1983ء

7 شرح صحیح مسلم، ج4ص، 353

8 کاغذنوٹ اور کرنسی کاحکم، ص16

9 تعارف معاشیات۔ص۔101

10 پروفیسر منظور احمد، کتاب معاشیات، لاہور علمی کتاب خانہ، ص157

11 تعارف معاشیات، ص، 101

12 تعارف معاشیات، ص، 101

13 مولانا سعید صاحب، نوٹ کی حقیقت اور اس کے شرعی احکام، لاہور عمران اکیڈمی سن 1370ء ص 45

14 کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، ص 10۔ نیز مفتی حافظ مد عبد الحکیم، فتاویٰ حکیمیہ، آزاد کشمیر، علامہ عبد الحکیم ریسرچ انسٹیوٹ 1997ء ج: ا، ص 1154

15 نوٹ کی حقیقت اور اس کے شرعی احکام۔ ص 45

16 مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، جدید فقہی مباحث۔ کراچی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔ سن 1989ء۔ ج 2 ص 87

17 مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، جدید فقہی مباحث۔ کراچی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔ سن 1989ء۔ ج 2 ص 87

18 کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، ص ۱۷

19 شرح صحیح مسلم، ج ۴، ص ۳۵۴

20 پروفیسر نور محمد غفاری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی، لاہور دیال سنگ لائبریری۔ سن ۱۹۸۸ء ص ۲۹

21 مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی۔ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، تاریخ ملت لاہور، ادارہ اسلامیات، سن ۱۹۹۹ء، ج: ا ص: ۴۳۸۔ نیز الشیخ محمد النحضری بک، تاریخ الامم الاسلامیہ، مصر المکتبہ التجاریہ الکبری سن ۱۹۶۹ء۔ ج: ۲ ص: ۲۱۹، نیز: احمد بن یحیٰ بن جابر، فتوح البلدان۔ کراچی۔ نفیس اکیڈمی سن ۱۹۶۲ء۔ ج: ۲، ص ۶۶۱۔

22 زین الدین ابن نجیم الحنفی، البحر الرائق۔ کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی

23 نوٹ کی حقیقت اور اس کے شرعی احکام۔ ص ۱۲

24 شرح صحیح، ج ۴، ص: ۳۵۴

25 فتاویٰ حکیمیہ، ص: ۱۱۴۶

26 نوٹ کی حقیقت اور اس کے شرعی احکام۔ ص: ۱۲

27 مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، تکملۃ فتح الملھم، کراچی، مکتبہ دار العلوم س ۱۴۰۵ھ، ج: ا، ص: ۵۱۹

28 کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (تلخیص) ص۔ ۱۴ تا ۱۸

29 علاء الدین محمد بن علی بن محمد بن عبد الرحیم الحصکفی، الدر المختار کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، سن ۱۴۰۴ھ، ج: ۴ ص: ۳۶۱ نیز الشیخ محمد امین الشھیر بابن عابدین، رد المختار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، سن ۱۴۰۴ھ، ج: ۴ ص: ۳۶۱

30 الشیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ سن، ج: ۶، ص: ۳۴۵

31 محمد علی فاروقی التھانی، کشاف اصطلاحات الفنون، مصر، المؤسسۃ المصریہ العامہ، ۱۳۷۲ھ ص: ۳۵۳

32 تکملہ فتح الملھم، ج: ا، ص: ۵۱۶

33 مفتی شفیع محمد صاحب، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، کراچ

34 مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، امداد الفتاویٰ، کراچی، مکتبہ اشرف العلوم، سن ۱۳۷۰ھ، ج: ۲، ص: ۲

35 مفتی کفایت اللہ دہلوی، کفایت المفتی، کراچی، سکندر علی تاجران کتب، سن ۱۲۸۹ھ، ج: ۸، ص: ۱۰۰۔ نیز: مولانا ظفر احمد عثمانی، امداد الاحکام، کراچی، مکتبہ دار العلوم، سن ۱۴۰۰ھ، ج: ۲، ص: ۱۱ نیز: مولانا رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ، کراچی، ایم سعید کمپنی، سن ۱۹۸۵ء، ص: ۴۱۵۔

36 مفتی جمیل احمد تھانوی، جمیل الفتاویٰ، (مخطوطہ)

37 مفتی شفیع محمد صاحب، آلات جدیدہ کے شرعی احکام، کراچی، ادارۃ المعارف سن ۱۴۰۴ھ، ص: ۱۹۹

38 مفتی محمود حسن گنگوہی، فتاویٰ محمودیہ، کراچی، کتب خانہ مظہری، سن ۱۴۰۶ھ، ج۳، ص:۵۹ نیز: مفتی رشید احمد صاحب، احسن الفتاویٰ، کراچی، ایم سعید کمپنی، سن ۱۴۰۸ھ، ج:۴، ص:۲۵۷۔

39 بھجۃالمشتاق، ص:۲۷

40 نوٹ کی حقیقت اوراس کے شرعی احکام، ص:۱۴

41 تکملہ فتح الملھم، ج:۱ص:۱۵۱۷ الفتح الربانی، ج:۸، ص:۲۵۱

42 مولاناعبدالحہ صاحب، فتاویٰ عبدالحہ، کراچی، ایچ۔ایم سعید کمپنی، سن ۱۹۶۴، ج:۲، ص:۱۳۶ نیز: فقہ الزکوٰۃ، ج:۱، ص:۳۶۶

43 مولانافتح محمد صاحب لکھنوی، عطرہدایہ، کراچی، زمزم پبلشرز سن، ص:۲۲۳

44 مولاناخالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، لاہور حراء پبلی کیشنز، ج:۱، ص:۱۲۳

45 تکملہ فتح الملھم، ج:۱، ص:۵۱۹

46 الشیخ محمدامین الشھیر بابن عابدین، شرح عقودرسم المفتی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص۳۷

47 الشیخ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم، الاشباہ النظائر، کراچی۔ادارۃالقرآن والعلوم الاسلامیہ، ج:۱، ص:۱۲۶

48 شرح عقودرسم المفتی، ص۳۷

49 فتح القدیر، ج:۶، ص:۲۵۹

50 البحرالرائق، ج:۶، ص:۲۰۳

51 امام مالک بن انس الاصبحی، المدونۃالکبریٰ، بیروت، دارالفکر سن ۱۴۰۵ھ، ج:۳ص:۹۰

52 جدید فقہی مباحث، ج:۲، ص:۶۷،۶۶

53 جدید فقہی مباحث، ج:۲، ص:۱۰۰

54 الاشباہ والنظائر، ج:۱، ص:۱۱۷

55 الاشباہ والنظائر، ج:۱، ص:۱۰۵

56 عطرہدایہ، ص:۲۲۰،۲۱۹ نیز: تکملہ الملھم، ج:۱ص۵۱۷

57 البحرالرائق، ج:۶، ص:۲۰۳

58 مسلم بن الحجاج بن مسلم، صحیح مسلم، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی سن ۱۳۱۹ھ، ج:۲، ص:۲۴

59 جدید فقہی مباحث، ج:۲، ص:۱۷۱

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.